حکمتِ سیّد مودودیؒ

جناب عاصم نعمانی کی ڈائری سے اقتباس

مولینا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانحی اور تحریکی زندگی کی عکاسی کے لحاظ سے ۵ - اے ذیلدار پارک میں آنے والے مہمانوں کی مولینا سے گفتگو میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں - بعض کا تعلق عصرانہ مجالس سے ہے اور بعض دوسرے اوقات سے متعلق ہیں - عاصم نعمانی صاحب نے ایسے مواقع فیض کا کچھ نہ کچھ حصّہ محفوظ کر لیا ہے آج ہم اُن کی ڈائری کے کچھ اوراق پیش کر رہے ہیں - (ترجمان)

۶ رجون ۷۵ء

آج جڑانوالہ سے تیس چالیس معززین پر مشتمل ایک وفد مولانا محترم سے ملنے کے لیے آیا - دس بجے صبح مولانا کی قیام گاہ پر کوئی ایک گھنٹہ ان سے گفتگو ہوتی رہی - مولانا نے ان کے سوالوں کے جوابات دیے - پہلا سوال یہ تھا کہ غیر جمہوری فضا میں تحریک اسلامی کے لیے کیا امکان ہے ؟

مولانا محترم نے فرمایا، کہ جب ایک معقول اور دل لگتی بات کو عمدہ اخلاق کے ساتھ لے کر کھڑے ہوں اور سخت سے سخت ظلم و ستم سہنے کے باوجود اپنی بات ہر حالت میں لوگوں کے سامنے پیش کرتے چلے جائیں تو لازمی طور پر اُس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اخلاقی برتری اور دعوت کی معقولیت و صداقت اپنی فطری طاقت سے آگے بڑھتی چلی جاتی ہے - اس تحریک کے مخالف اس کے کارکنوں پر جتنا ظلم کرتے ہیں اتنے ہی وہ ملک کے رہنے والے

شریف النفس اور نیک طبع لوگوں کی نظر سے گرتے چلے جاتے ہیں اور اُن کے مقابلے میں تحریک کے کارکن جتنی ہمت اور ثابت قدمی کے ساتھ ظلم برداشت کرتے چلے جاتے ہیں اور اپنی حق پرستی کی راہ سے بال برابر بھی نہیں ہٹتے، اتنی ہی اُن کی قدر و منزلت عام دیکھنے والوں ہی میں نہیں بلکہ خود دشمنوں کی صفوں میں بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ پھر جب فیصلہ کن مقابلے کا وقت آتا ہے تو قدم قدم پر اُن لوگوں کی ہمدردیاں کارکنوں کے کام آتی ہیں جو دشمنوں کے جبر کی وجہ سے خاموش بیٹھے تھے مگر دل سے اس دعوت کے حامی تھے۔ یہاں تک چند مٹھی بھر ہٹ دھرم دشمن ہی میدان میں رہ جاتے ہیں جن کا ساتھ دینا تو درکنار ان کے پیچھے رونے والا بھی کوئی نہیں ہوتا۔

یہ وہ سبق ہے جو ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق کے مطالعے سے حاصل ہوتا ہے، اس لیے تحریک اسلامی کے کارکنوں کو اسلامی نظام برپا کرنے کے لیے جمہوری اداروں کی مٹی پلید ہونے اور شہری آزادیاں سلب ہو جانے اور بنیادی حقوق کچل دیے جانے پر ہمت ہار کر نہیں بیٹھ جانا چاہیے بلکہ کام کی نئی راہیں تلاش کر کے اپنی منزل کی طرف پیش قدمی جاری رکھنی چاہیے۔

ایک سوال کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ پڑھے لکھے لوگ، بالخصوص جدید تعلیم یافتہ نوجوان بڑی حد تک ہماری دعوت کو سمجھ چکے ہیں۔ اب ان کا کام یہ ہے کہ عوام الناس کے اندر پھیل کر اُس زبان میں یہ دعوت اُن کے سامنے پیش کریں جسے وہ سمجھ سکتے ہوں اور انہیں اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کریں۔ انہوں نے کہا کہ اس کام میں بڑی مشکل یہ پیش آ رہی ہے کہ عوام کو جھوٹے وعدوں اور پُر فریب باتوں سے دھوکا کھانے کی عادت ڈال دی گئی ہے جسے چھڑانا سخت محنت طلب کام ہے۔ ایک فریبی سے تلخ تجربات اُٹھا کر وہ اس سے بیزار ہو بھی جائیں، تو کسی دوسرے فریبی سے دھوکا کھانے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اور کوئی اگر سبز باغ دکھانے کے بجائے سنجیدگی کے ساتھ ایسا پروگرام اُن کے سامنے پیش کرے جو حقیقت پر مبنی ہو تو اُس کی باتیں اُن کے دل کو نہیں لگتیں۔ اس حالت میں محض کامیابی کو اپنا مقصود بنانے والے تو ایک فریب کار گروہ کو شکست دینے کے لیے اس سے بڑھ کر فریب کاری کرنے پر اُتر آتے ہیں، مگر جن لوگوں

کہ ملک کی اصلاح کرنی ہے، ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ صبر کے ساتھ آہستہ آہستہ عوام کی اس بُری عادت کو بدلنے کی کوشش کرتے چلے جائیں۔ غالب امکان اسی بات کا ہے کہ بے دریغ تلخ تجربات اُٹھانے کے بعد آخر کار ان لوگوں کو عقل آجائے گی اور یہ معقول باتیں سُننے اور قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ لیکن اگر انہوں نے دھوکے ہی کھانے کا فیصلہ کر لیا ہو تو پھر بہتر یہی ہے کہ اُن کی یہ خدمت دوسرے لوگ ہی انجام دیتے رہیں۔ ہمیں بہرحال خدا کے ہاں اپنا نام فریب کاروں میں نہیں لکھوانا۔

ایک اور سوال کے جواب میں کامیابی کے صحیح تصوّر کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا محترم نے قرآنِ پاک سے حضرت لوطؑ علیہ السّلام کی مثال دی۔ اُنہوں نے کہا کہ وہ سالہا سال اپنی قوم کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے رہے مگر اس قوم کے کسی ایک فرد نے بھی ان کی دعوتِ اصلاح قبول نہ کی، حتّٰی کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس پر عذاب نازل کرنے کا فیصلہ فرمایا تو پورے مُلک میں اہل ایمان کا صرف ایک گھر پایا جاتا تھا، اور وہ گھر خود حضرت لوط علیہ السّلام کا تھا، اور اس میں بھی ان کی اپنی بیوی ایمان لانے والی نہ تھی۔ اب کیا یہ کہا جائے گا کہ حضرت لوطؑ ناکام ہو گئے؟ نہیں، بلکہ ناکام وہ قوم ہوئی جس نے اُن کی بات نہیں مانی، وہ بہرحال کامیاب تھے، کیونکہ انہوں نے اپنا فرض پوری طرح انجام دے دیا۔ اس مثال سے کامیابی و ناکامی کا اسلامی تصوّر اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے، حق کی دعوت کو اپنی زندگی کے آخری سانس تک پیش کرتے چلے جانا ہی ایک حق پرست انسان کی اصل کامیابی ہے۔ قوم اگر اس حق کو قبول کر لے جسے وہ پیش کر رہا ہے تو قوم بھی کامیاب ہو جائے گی۔ لیکن اگر وہ اسے رد کر کے باطل کے پیچھے چل پڑے تو ناکام وہ ہو گی نہ کہ وہ شخص جو اُسے حق کی طرف بُلا رہا تھا۔ البتہ اگر وہ دُنیا میں کامیابی حاصل کرنے کی خاطر خود حق سے منحرف ہو جائے اور ہر طرح کے ناجائز ہتھکنڈے استعمال کرنے لگے تو چاہے دُنیا کی ساری کامیابیاں اسے حاصل ہو جائیں، خدا کے ہاں وہ یقیناً ناکام و نامراد ہو کر رہے گا۔

پاکستان کی اسمبلیوں سے حزبِ اختلاف کے بائیکاٹ کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ دُنیا میں جہاں بھی پارلیمانی طرزِ حکومت رائج ہے وہاں

اکثریت ہی حکومت کرتی ہے اور اقلیت حزبِ اختلاف بن کر رہتی ہے۔ لیکن یہ مثال پیش کرنے کا شرف پہلی مرتبہ ہمارے ملک ہی کو حاصل ہوا ہے کہ اکثریت نے اقلیت کو تنگ کرتے کرتے اتنا بے بس کر دیا کہ آخر کار وہ بائیکاٹ کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اِس کارِ خیر کا اصل مقصد اب کھل کر زبانوں پر آ رہا ہے کہ اقلیت اسمبلی کی نشستیں خالی کرے، تاکہ ضمنی انتخابات اور آزاد کشمیر کے انتخابات سے جو "گراں قدر" تجربات حاصل ہوتے ہیں، اُن سے کام لے کر پوری اسمبلی اکثریت کی اسمبلی ہو جائے اور حزبِ اختلاف کے خرخشے سے مستقل نجات حاصل کر لی جائے۔ آخر اس سے زیادہ مثالی پارلیمانی نظام اور کونسا ہو سکتا ہے، جس میں ہر مسودۂ قانون پیش ہوتے ہی پاس ہوتا چلا جائے اور مہینوں کا کام ایک دو دن ہی میں انجام دے کر فراغت حاصل کر لی جائے۔

اِن حالات میں مُلک سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کے اندر پیدا ہونے والی مایوسی کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ میرے پاس تو مایوسی آج تک کبھی نہیں پھٹکی، بلکہ یہ لفظ میری لغت ہی سے خارج ہے۔ دوسرے لوگ جو مایوس ہو رہے ہیں اُن سے بھی میں یہ کہتا ہوں کہ ہمیشہ اللہ سے اچھی اُمیدیں رکھتے ہوئے حق و صداقت کو سربلند کرنے کے لیے جان توڑ جدوجہد کرتے چلے جاؤ۔ اور اپنی طرف سے کوشش کا حق پوری طرح ادا کر دینے کے بعد نتیجہ اللہ پر چھوڑ دو۔ ضروری نہیں ہے کہ تمہاری خدمت کے نتائج تمہارے جیتے جی ہی برآمد ہو جائیں۔ تم اگر ایک حق پرست کی طرح اپنا فرض انجام دیتے ہوئے مر بھی جاؤ تو تمہاری حیثیت اس شخص کی سی ہوگی جو حج کے لیے گھر سے نکلے اور دورانِ سفر ہی اُس کی زندگی کا آخری وقت آ جائے۔ جس طرح وہ حج کے ثواب سے محروم نہ رہے گا اسی طرح تم بھی راہِ حق کی جدوجہد کے ثواب سے محروم نہ رہو گے۔

۱۷ جون ۷۵ء

آج کی مجلس میں خواب کی تعبیر کا ذکر ہو رہا تھا۔ مولانا محترم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام

کے خوابوں کے سوا اور کسی کا خواب حجت نہیں ہے۔ اس پر اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا:-

حیدرآباد (دکن) میں ایک بڑے قابل وکیل تھے جو بعد میں جج بھی ہو گئے تھے۔ قادیانی ہو گئے تھے۔ میری ان سے رسم و راہ تھی۔ ایک روز میں نے اُن سے قادیانی ہو جانے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے حضورؐ کو خواب میں دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ مرزا صاحب حضورؐ کی گود میں بیٹھے ہیں۔ اِس کے بعد میں کیوں مرزا صاحب کو نبی نہ مانوں۔ اس پر ان سے بہت گفتگو ہوئی۔ بہت سمجھایا جس پر وہ خاموش ہو گئے، مگر قادیانیت سے تائب نہ ہوئے[1]

۱۸ جون ۱۹۷۵ء

سوال تھا کہ تحریک اقامتِ دین کا خیال آپ کے ذہن میں کیسے آیا؟

مولانا نے فرمایا کہ دینی معلومات گو پہلے سے تھیں مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تھی۔ چونکہ بچپن

---

[1] ہر قسم کے خوابوں کے متعلق علمائے شریعت کا متفقہ اُصول یہ ہے کہ اگر کسی خواب سے کسی خلافِ اسلام امر کی دعوت ملتی ہو، یا صریحاً کسی گمراہ آدمی کی توقیر ہوتی ہو (خصوصاً ایسا شخص جو بنیادی عقاید — توحید، رسالت اور آخرت — میں کوئی رخنہ پیدا کرے یا حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے) تو ایسے کسی بھی خواب کو کتاب و سنّت کے مقابلے میں قبول نہیں کیا جائے گا۔

رہا یہ سوال کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ اُس نے حضورؐ کو خواب میں یہ کہتے یا یہ کرتے دیکھا ہے تو اگر کوئی خلاف شریعت بات سامنے آتی ہے تو اُس کے معنی یہ ہیں کہ یا تو وہ شخص غلط بیانی کر کے اپنے گمراہانہ خیالات کو مقبول بنانا چاہتا ہے، یا اگر وہ خود مغالطہ زدہ ہے تو حقیقت یوں ہے کہ اگرچہ شیطان یقیناً حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل اختیار نہیں کر سکتا، مگر وہ یہ ضرور کر سکتا ہے کہ کوئی اور پُر تقدس ہیئت اختیار کر کے یہ ظاہر کرے کہ میں ہوں سردارِ اُمت (نعوذ باللہ) پس تمام خوابوں اور ہر قسم کے کشف کی جانچ کا معیار کتاب و سنّت کے واضح کردہ اساسی عقاید اور قوانینِ معیشت و معاشرت اور ضابطہ ہائے حلّت و حرمت اور اخلاقی اُصول ہیں۔ (ن۔ ص)

میں عربی پڑھی تھی اس لیے جب ذہنی شعور کچھ پختہ ہوا تو خود براہ راست قرآن کریم اور عربی تفاسیر کا مطالعہ کیا جس سے آہستہ آہستہ اقامتِ دین کا تصور پختہ ہوتا گیا۔

جو قرآن کریم والد محترم کے زیرِ تلاوت رہتا تھا۔ وہ اب بھی میرے پاس موجود ہے۔ اس کے حاشیے پر والد محترم کے نوٹس بھی ہیں اور میں نے بھی بہت سے نوٹس اس پر لکھ رکھے ہیں۔

ایک سوال تھا کہ زمانہ طالب علمی میں آپ کوئی کھیل بھی کھیلتے تھے ؟

فرمایا، جی ہاں، فٹ بال، کرکٹ اور جمناسٹک کھیلا کرتا تھا۔ مگر اب اُن کے قواعد ضوابط بھول چکا ہوں۔

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں اُن کا خاص احترام ملحوظ رکھیں تاکہ بے ادبی نہ ہونے پائے۔

(ادارہ)

تحریکِ اسلامی کا جملہ لٹریچر حاصل کرنے کیلیے رجوع کریں

پین اسلامک پبلشرز۔ ۲/۱۳ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور